الفاظِ طلاق

احتیاط اور تفہیم

مفتی شعیب عالم
مفتی دار الافتاء واستاذِ جامعہ

نکاح فطرت ہے، فطرت ہے تو طبیعت ہے، طبیعت ہے تو ضرورت ہے، ضرورت ہے تو شریعت ہے اور شریعت ہے تو عبادت ہے۔ عبادت ہے تو اس کا طریقہ مقرر ہے، اس لیے اسے مرضی کے مطابق نہیں، بلکہ شریعت کی منشا کے مطابق انجام دیا جائے گا۔

نکاح عبادت ہے تو بڑے عبادت گزاروں نے اسے ضرور انجام دیا ہوگا، چنانچہ نکاح‘ انبیاء کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا اُسوہ اور صلحاء کا طریقہ ہے۔

نکاح عبادت ہے تو اس سے تزکیۂ نفس کا مقصد ضرور حاصل ہوگا، چنانچہ نکاح‘ نگاہوں کو پاک، خیالات کو پاکیزہ، جذبات کی تسکین اور ایمان کی تکمیل کرتا ہے۔

نکاح عبادت ہے تو اس کے پس پشت انسانیت کی فلاح کا مقصد ضرور پیش نظر ہوگا، چنانچہ نوعِ انسانی کی بقاء، نفس پر ضبط، شہوت پر کنٹرول، اخلاق کو سنوارنے، فواحش سے بچنے اور پاکدامنی کے حصول کے لیے نکاح سے بڑھ کر کوئی نسخہ نہیں، اسی شریفانہ طریقے سے توالد وتناسل کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اسی سے نام اور کام باقی رہتا ہے، اسی سے مرد وعورت کے تعلقات جائز، اولاد کا نسب درست اور باہم حقوق وفرائض پیدا ہوتے ہیں اور اسی سے خانگی نظام کی اصلاح ہوتی ہے، جس پر تمام ہیئتِ اجتماعی کی درستگی کا انحصار ہے۔

عبادت کے ساتھ نکاح ایک سماجی معاہدہ بھی ہے۔ معاہدہ دوطرفہ عمل ہوتا ہے جو باہمی رضامندی سے تشکیل پاتا ہے، باہمی رضامندی کا اظہار الفاظ سے ہوتا ہے، اس لیے ہر معاہدے کی طرح نکاح کا معاہدہ بھی الفاظ سے وجود میں آتا ہے، چنانچہ رضامندی کے دو بول ہوتے ہیں جو سماعت

مقصد طلاق کی مذمت بیان کرنا نہیں ہے، کیونکہ وہ تو فی ایک نعمت ہے اور اگر آخری چارہ کار کے طور پر شوہر اس حق کو استعمال میں لائے، جبکہ صلح وصفائی کی تمام کو ا ناکام ہوگئی ہوں تو وہ کسی لعنت وملامت کا مستحق نہیں ہے، بلکہ سلیقے اور طریقے سے اس رشتے کو ختم کرنے کا پابند ہے، ''فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ'' کی قرآنی تعلیم اسی موقع کے لیے ہے۔ عیسائی تصورِ نکاح کی طرح اسلام میں نکاح کوئی ایسا آسمانی اور اَٹوٹ رشتہ نہیں ہے جس کو بندے وجود میں تو لا سکتے ہوں، مگر اس کو ختم کرنے پر قدرت نہ رکھتے ہوں۔

مقصد ان لوگوں کی مذمت بیان کرنا ہے جو بے ضرورت یا عجلت میں طلاق دیتے ہیں، یا طلاق کے ذریعے اپنے جوشِ انتقام کی تسکین کرتے ہیں، یا طلاق دے دیتے ہیں، مگر اس کے باوجود رشتہ زوجیت برقرار رکھتے ہیں، یا بے دھیانی میں طلاق کے الفاظ استعمال کر لیتے ہیں، حالانکہ جب نکاح نہ رہے تو تعلقات گناہ اور اولاد ناجائز رہتی ہے۔ طبرانی کی روایت کے مطابق لوگ آخری زمانے میں اپنی بیویوں سے زنا کریں گے، جس کی صورت یہی ہوگی کہ یا طلاق کے بعد بیویوں کے قریب جائیں گے یا طلاق دے چکے ہوں، مگر اس سے غافل ہوں گے۔

اوپر کی سطور میں بطورِ تمثیل میاں بیوی کے درمیان جس جھگڑے کا ذکر ہوا، اس میں شوہر نے طلاق کا صریح لفظ استعمال کیا، جس سے طلاق کا وقوع ہر خاص وعام جانتا ہے اور فقہ کے طالب علم کے لیے بھی اس کا حکم بتانا آسان ہے، کیونکہ صریح تو اپنی وضاحت آپ ہوتا ہے، جیسے: ''آفتاب آمد دلیلِ آفتاب''، مگر اسی نوک جھونک کے ماحول میں جب بیوی طلاق بھی مانگ رہی ہو، اگر شوہر درج ذیل الفاظ استعمال کرے:

''میری تم سے توبہ، میں تمہیں نہیں چاہتا، پسند نہیں کرتا، رغبت نہیں رکھتا، اُمید نہیں رکھتا، الگ کرنا چاہتا ہوں، وغیرہ، تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہیں ہوتی۔ اس طرح کے الفاظ کے استعمال کے بعد لوگ پریشان ہوتے ہیں کہ خدانخواستہ طلاق ہوگئی ہے۔''

اگر شوہر طلاق کی نیت سے درج ذیل جملوں میں سے کسی کا استعمال کرے تو طلاق ہوجاتی ہے:

''بساتا نہیں، اپنا بندوبست کرلو، میری بہن کی طرح ہے، آج سے میری بیوی نہیں ہو، تعلق نہیں، میرے اور تمہارے درمیان نکاح نہیں ہے، جاؤ چلی جاؤ، جہنم میں جاؤ، میرا تیرا کوئی رشتہ نہیں، تجھ سے کوئی واسطہ نہیں، وغیرہ۔''

جب کہ بحالتِ غصہ اور طلاق کی گفتگو کے وقت ان الفاظ سے بلا نیت طلاق ہوجاتی ہے:

’’اپنا دوسرا انتظام کرلو، میری طرف سے صاف جواب ہے، جس سے چاہو نکاح کرلو، نکاح فسخ کرتا ہوں، میری طرف سے فیصلہ ہے، وغیرہ۔‘‘

اس قسم کے الفاظ میں عموماً شوہر کا بیان یہ ہوتا ہے کہ اس کی نیت طلاق کی نہیں تھی، حالانکہ قرینے کی موجودگی میں طلاق ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ آزاد، حرام اور چھوڑ دیا وغیرہ کے الفاظ ایسے ہیں جن سے نیت کے بغیر بھی طلاق ہوجاتی ہے۔

ان مثالوں سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ کنائی الفاظ کے احکام مختلف بھی ہیں اور مشکل بھی ہیں۔ دراصل الفاظِ کنایہ سے طلاق کا وقوع شوہر کی نیت پر موقوف ہوتا ہے۔ اگر شوہر کی نیت طلاق کی ہے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے، یا اگر کنایہ کا استعمال عرف میں طلاق کے لیے ہو تو بھی طلاق واقع ہے، کیونکہ عرف نیت کے قائم مقام ہوتا ہے، لیکن اگر نیت اور عرف میں سے کچھ نہ ہو تو پھر کنایات کی نو صورتوں میں سے صرف تین میں بغیر نیت کے طلاق واقع ہوتی ہے، وہ تین صورتیں درج ذیل ہیں:

۱:- حالتِ مذاکرہ ہو اور سب وشتم کے الفاظ ہوں۔

۲:- حالتِ مذاکرہ ہو اور جواب کے الفاظ ہوں۔

۳:- حالتِ غضب ہو اور جواب کے الفاظ ہوں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام ہی کنایات سے نیت کی موجودگی میں طلاق کا ہونا ایک مسلم اصول ہے، اسی طرح عرف ہو تو کنایہ صریح ہے اور صریح میں بھی نیت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، لیکن نیت یا عرف نہ ہو تو پھر شوہر کی نیت کو جانچا جاتا ہے۔

شوہر کی نیت جانچنے کا ذریعہ ’’قرینہ‘‘ ہے اور قرینہ بول یا ماحول ہے۔ ’’بول‘‘ سے مراد وہ لفظ ہے جو شوہر نے استعمال کیا ہے اور ماحول سے مقصود وہ صورت حال ہے جس میں لفظ استعمال کیا گیا ہے، بالفاظِ دیگر شوہر نے کیا کہا ہے؟ اور کس موقع پر کہا ہے؟ دونوں پہلوؤں کو دیکھنا ضروری ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ ماحول تین قسم کا ہوتا ہے:

۱:- حالتِ رضا ۲:- حالتِ غضب ۳:- حالتِ مذاکرہ

بول یعنی الفاظ بھی تین قسم کے ہیں:

۱:- رد کے الفاظ ۲:- سب وشتم کے الفاظ ۳:- جواب کے الفاظ

اس طرح کل نو صورتیں بن جاتی ہیں، جو درج ذیل نقشے میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں:

نقشہ نمبر:1

	ردکے الفاظ	سب وشتم کے الفاظ	جواب کے الفاظ
حالتِ رضا	1	2	3
	نیت ضروری ہے	نیت ضروری ہے	نیت ضروری ہے
حالتِ غضب	4	5	6
	نیت ضروری ہے	نیت ضروری ہے	نیت ضروری نہیں ہے
حالتِ مذاکرہ	7	8	9
	نیت ضروری ہے	نیت ضروری نہیں ہے	نیت ضروری نہیں ہے

اسی نقشہ کو اس طرح پلٹ دیا جائے کہ الفاظ اور حالات کی جگہیں ایک دوسرے سے بدل دی جائیں تو پھر بھی صورتیں برقرار رہتی ہیں، مثلاً:

نقشہ نمبر:2

	حالتِ رضا	حالتِ غضب	حالتِ مذاکرہ
ردکے الفاظ	1	2	3
	نیت ضروری ہے	نیت ضروری ہے	نیت ضروری ہے
سب وشتم کے الفاظ	4	5	6
	نیت ضروری ہے	نیت ضروری ہے	نیت ضروری نہیں ہے
جواب کے الفاظ	7	8	9
	نیت ضروری ہے	نیت ضروری نہیں ہے	نیت ضروری نہیں ہے

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ:

۱:۔ حالتِ رضا میں تینوں قسم کے الفاظ میں نیت کی ضرورت ہے اور رد کے الفاظ میں تینوں حالات میں نیت ضروری ہے۔

۲:۔ حالتِ غضب میں شروع کے دونوں قسم کے الفاظ میں نیت کی ضرورت ہے اور سب وشتم کے الفاظ میں شروع کے دو حالات میں نیت کی ضرورت ہے۔

۳:۔ حالتِ مذاکرہ میں صرف رد کے الفاظ میں نیت کی ضرورت اور جواب کے الفاظ میں

صرف حالتِ رضا میں نیت کی ضرورت ہے۔

رد کے الفاظ میں ماحول کو اور خوشی کے ماحول میں الفاظ کو دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، اس طرح ایک سے لے کر پانچ تک یہ کل پانچ صورتیں بن گئیں، جن میں نیت کی ضرورت ہے۔ چھٹی صورت یہ ہے کہ حالتِ مذاکرہ ہو اور رد کے الفاظ ہوں۔

ان چھ صورتوں میں بلا نیت یا عرف طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، البتہ شوہر نیت کا انکار کرے تو اس سے حلف لیا جاتا ہے، کیونکہ ہر کنایہ میں طلاق کا احتمال ہوتا ہے۔ باقی تین صورتوں میں بلا نیت بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، جو درج ذیل ہیں:

۱:- سب وشتم کے الفاظ ہوں اور حالتِ مذاکرہ ہو

۲:- جواب کے الفاظ ہوں اور حالتِ مذاکرہ ہو۔

۳:- جواب کے الفاظ ہوں اور حالتِ غضب ہو۔

گویا نو حالتوں میں سے صرف تین صورتیں ایسی ہیں جن میں نیت اور عرف کے بغیر بھی کنایہ سے طلاق ہوجاتی ہے، لہٰذا ہم کنایات کے بارے میں، بلکہ تمام الفاظِ طلاق کے بارے میں ایک اصول کے طور پر کہہ سکتے ہیں کہ کسی لفظ سے طلاق اس وقت ہوتی ہے کہ:

۱:- جب نیت طلاق کی ہو، یا

۲:- کوئی لفظ صریح ہو خواہ رجعی ہو یا بائن، یا

۳:- جب حالتِ مذاکرہ میں سب وشتم یا جواب کے الفاظ ہوں، یا

۴:- حالتِ غضب میں جواب کے الفاظ ہوں۔

کنایہ کے متعلق ایک آخری حل طلب امر یہ رہ جاتا ہے کہ بول اور ماحول سے فقہاء کی منشاء کیا ہے؟ دراصل فقہاء نے ایسے اصول دے دیئے ہیں کہ ان پر پرکھ کر طلاق کے وقوع اور عدمِ وقوع کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے، اور وہ اصول دو ہیں:

۱:- ایک یہ کہ لفظ کا معنی طلاق کا ہو۔

۲:- دوسرے یہ کہ وہ طلاق کے لیے استعمال ہوا ہو۔

کبھی لفظ کا معنی اچھا ہوتا ہے، مگر اس کا استعمال مذموم مقصد کے لیے ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ فقہاء چاہتے ہیں کہ طلاق کی گنجائش رکھنے والا لفظ لازماً طلاق کے لیے ہی استعمال ہوا ہو۔

دراصل ''بول'' سے لغت مراد ہے اور ''دلالت حال'' سے استعمال مراد ہے۔ فقہاء کا مقصد یہ ہے کہ صرف لغوی معنی پر مدار نہیں، بلکہ لفظ کے استعمال کو بھی دیکھنا ضروری ہے اور صرف استعمال پر بھی

انحصار درست نہیں، بلکہ لفظ میں بھی طلاق کی صلاحیت ہونا چاہیے۔ اس طرح ان دو اصولوں کے بیان سے فقہاء نے کنایہ کے متعلق ایک میزان اور کسوٹی فراہم کردی ہے، جس پر جانچ کر کسی بھی زبان کے کسی بھی لفظ کو پرکھا جاسکتا ہے۔ اس طرح کے اصول منقح شکل میں سامنے ہوں تو فہم اور ضبط میں سہولت رہتی ہے، جزئیات بھی منتشر نہیں معلوم ہوتیں اور سب سے بڑھ کر متعلقہ باب سے مربوط اور درست واقفیت حاصل ہوجاتی ہے، ورنہ تو جزئیات بکھری اینٹوں کا مجموعہ ہوتی ہیں جو عمارت کہلانے کی مستحق نہیں ہوتیں۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جزئیات قدر و قیمت نہیں رکھتیں۔ فقہِ اسلامی اور خصوصاً فقہ حنفی میں جزئیات سے مفر نہیں، کیونکہ انہی کے ذریعے سے کچھ سے بہت کچھ کی جانب اور جزء سے کل کی طرف سفر ہوتا ہے، انہی سے اصول کی صحت معلوم ہوتی ہے، ان ہی کے قدرِ مشترک کا نام کلیات ہے، فقہ کی وسعت بھی ان ہی کے بدولت ہے اور فقہ غیر فقیہ افراد کے ہاتھوں دست و برد سے بھی ان ہی کے ذریعے محفوظ ہے، ان وجوہ سے جزئیات کا بیان ضروری ہے۔

آخر میں ایک اہم قابلِ غور بات یہ ہے کہ طلاق کے جو الفاظ مختصر، سیدھے سادے اور دوٹوک ہوں، اگر شوہر اسی قدر جملوں پر اکتفا کرے تو مسئلہ کا جواب آسانی سے سمجھ آجاتا ہے، مگر عموماً شوہر کی گفتگو طویل ہوتی ہے، جس میں مقصودی جملے کی تلاش بسا اوقات بھوسے میں سوئی کی تلاش کی مانند ہوتی ہے، پھر اگر مقصودی جملہ ذومعنی ہو تو مشکل دوہری ہوجاتی ہے، کیونکہ کنایہ خود ذومعنی ہوتا ہے اور ذومعنی جملے میں استعمال سے اس کا حل مزید مشکل ہوجاتا ہے، یہ مشکل اس وقت شدید تر ہوجاتی ہے جب شوہر ایک ہی جملے میں ایک سے زائد طلاق کے الفاظ استعمال کرتا ہے، مثلاً: ''طلاق دے کر آزاد کرتا ہوں۔'' یہ دراصل دو جملے ہیں: ''طلاق دیتا ہوں اور آزاد کرتا ہوں۔'' شوہر نے دو جملوں کو لفظ ''اور'' کے ساتھ ملانے کے بجائے جملہ حالیہ معطوفہ استعمال کر کے ملا دیا ہے اور اس کا یہ استعمال فصیح بھی ہے، اس جملے میں بظاہر دو طلاقیں واقع ہونی چاہئیں، مگر حقیقت میں ایک طلاق واقع ہے۔

اسی طرح اگر شوہر کہتا ہے کہ ''جا تجھے طلاق ہے'' تو اس میں ''جا'' کو الگ سے طلاق کا لفظ شمار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہتے ہیں کہ ''چل دور ہو''، ''آیئے تشریف رکھئے''، ''جاؤ جا کر سو رہو۔'' ان مثالوں میں ''چل''، ''آیئے'' اور ''جاؤ'' سے کوئی غرض متعلق نہیں ہے، بلکہ مطلوبہ جملے ''دور ہو''، ''تشریف رکھیے'' وغیرہ ہیں۔

ان مثالوں کے تذکرہ سے مقصد یہ ہے کہ کتاب کے باوجود شخصیات سے استفادہ کی ضرورت باقی رہتی ہے۔